© rasailojaraid.com

مسز نسرت عابد۔ سید کلب عابد

خواتین کا کردار

مسلم تہذیب اور معاشرے کی روشنی میں

پندرھویں صدی ہجری کی نمایاں ترین بات جو مسلمانوں کے ذہنوں میں ہمیں انتہائی شدت کے ساتھ ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، ان کا یہ احساس ہے کہ مسلمانوں پر ایک کیفیتِ زوال یا حالتِ سقوط طاری ہے۔ یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں — تاہم مسلمانوں کے اندر اپنی کمزوری کے اس احساس کو یقیناً ایک اچھے عمل کا نکتہ آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر تاریخ کی روشنی میں بات کی جائے تو ہمیں یہ "احساس" انتہائی اہم معلوم ہوگا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم میں، جس ملت میں یہ "احساس" جاگ اٹھے وہ اپنی پستیوں کو خیرباد کہہ کر بلندیوں کی طرف اٹھنے لگتی ہے، اور یہی اس کے زندہ ہونے کی نشانی ہے۔ زندہ قوموں کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماضی اور حال پر تنقید کرتی رہتی ہیں[1] اور یہی تنقید ان کے دوبارہ عروج کا باعث بنتی ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں کو سمجھ لیتی ہیں اور پھر انھیں دور کر دیتی ہیں۔ جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس میں سب سے نمایاں بات یہ ہوتی ہے کہ وہ خود تنقیدی سے گریز کرنے لگتی ہے اور اپنی تمام ناقدانہ صلاحیتیں دیگر اقوام کی تنقید پر صرف کرنے لگتی ہے۔ اس فراری ذہنیت نے بہت سی قوموں کو فنا کر دیا۔ مسلمانوں میں عقلیت پسندی کا زوال ہی ان کے زوال کا سبب بنا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی زوال دائمی نہیں ہوتا، اور پھر ہمارے پاس قرآن مجید کے واضح احکام موجود ہیں۔ حضورؐ کا اسوۂ حسنہ موجود ہے، اس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی ہر قسم کی پریشانیوں پر قابو پا سکتے ہیں۔

کسی بھی تہذیب، معاشرے یا ملک میں طبقۂ نسواں کے تعمیری یا تخریبی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ معاشرے میں عورت کا کردار متعین کرنے کی بحث اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ خود تاریخ انسانی

---

[1] ڈاکٹر آغا افتخار حسین "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال نے بجا فرمایا تھا کہ :

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا   مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں

اس موضوع پر بے شمار مفکرین نے قلم اٹھایا، ہر فلسفی کا اندازِ فکر دوسرے فلسفی سے مختلف تھا۔ ان فلسفیوں کے نظریات پڑھ کر ایک امر جو روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے عیاں ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام نے جو اعلیٰ وارفع مقام عورت کو دیا، وہ نہ کبھی اسلام کی آمد سے پہلے اُسے نصیب ہوا اور نہ ہی بعد میں اس میں کسی ترمیم یا اصلاح کی گنجائش رہی ہے۔[۵۲]

ہم مسلمانوں کو پندرھویں صدی ہجری کا آغاز اس امید پر کرنا چاہیے کہ کتاب وسنت اور تاریخِ اسلام کے خواتین سے متعلق جو جو تصورات نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں ان پر از سرِ نو قرآن وحدیث کی روشنی میں غور کریں گے۔

اسلام نے عورت کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت کے لیے صرف دعوے ہی نہیں کیے بلکہ علم و عمل میں، تدبیر و سیاست میں، بہادری و شجاعت میں، تہذیب و تمدن میں عورتوں کے چند فطرتی وظائف کے علاوہ زندگی کے تمام شعبوں میں اُسے عملی حیثیت سے مردوں کے برابر لاکھڑا کیا۔ اگر مردوں کی صف سے صدیقؓ و فاروقؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ جیسے مجموعہ حسنات کو اس نے ہدایت کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تو عورتوں کی جماعت سے اس نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت فاطمۃ الزہرہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت صفیہؓ جیسی خواتین کو فضل و کمال اور علم و عمل کے قابلِ تقلید نمونے بنا کر پیش کیا۔[۵۳]

اسلام سے قبل دنیا میں عورت کی کیا حیثیت تھی؟ تاریخِ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ شروع ہی سے مردوں نے اپنی قوت سے دنیا پر غلبہ پا کر عورت کو دبا لیا اور اس قدر درماندہ بنا دیا کہ اسے کبھی اُبھرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جتنی تہذیبیں، جتنے معاشرے ہمارے سامنے آتے ہیں وہ سب کے سب مردوں کے بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے مردوں کے موافق تھے۔ جتنے قوانین مرتب ہوئے وہ عورت کی حیثیت گھٹانے والے تھے۔ عورت کو عقل و شعور کی خوبیوں سے خالی سمجھا جاتا تھا۔ ایک ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ مرد نے

---

۵۲ پروین شوکت علی "اسلامی معاشرے میں خواتین کا مقام" مسلم فن و ثقافت نمبر لاہور، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۹

۵۳ عبدالقیوم ندوی "اسلام اور عورت" - لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس قدر محکوم اور مظلوم بنالیا تھا کہ آج بھی اس کا اثر عورتوں کی زندگی کے ہر حصے پر نمایاں نظر آتا ہے۔ غضب یہ تھا کہ ان عورتوں کو مردوں کی معین کی ہوئی ان بندشوں کا شعور یا ادراک بھی نہ تھا۔ لہٰذا ان کو توڑنے یا کم کرنے کا احساس بھی ان کے دلوں میں نہ آیا، بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کوئی نیک دل مصلح اٹھا اور اس نے عورتوں کے حقوق کسی حد تک تسلیم کرانے پر رضامندی ظاہر کی تو اس پس ماندہ اور درماندہ صنف کی بے حسی نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی بیڑیوں کو کاٹنے کے بجائے انھیں اور مضبوط کرتی رہی۔[3]

قبل اس کے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق میں کیا توازن قائم کیا؟ یہاں ہم عصرِ جدید میں چلائی جانے والی اس تحریک کا ایک مختصر سا جائزہ لیں گے جس میں عورتوں کو مردوں کے برابر اور مکمل مساوات کا درجہ دینے کا نعرہ بلند کیا گیا، اس کے بغیر ہماری بات نامکمل رہے گی۔ اس جائزے سے ہی ہمیں صحیح معنوں میں اندازہ ہو سکے گا کہ عصرِ جدید میں خواتین کی ہمدردی میں شروع کی جانے والی تحریک آیا واقعی سائنسی اور عقلی بنیادوں پر خواتین کی معاشرتی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں مدد دینے کے لیے شروع کی گئی یا یہ محض پرانی روایات سے انکار کرنے اور معاشرے کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے پھوڑنے کے لیے عمل میں آئی تھی۔

ایک امریکی محقق MARY R BEARD نے اپنی کتاب WOMEN AS FORCE IN HISTORY میں تین ایسے نقطہ ہائے نظر تحریر کیے ہیں، جو عورت کے معاشرے میں مقام کے بارے میں ملتے ہیں۔

"معاشرے میں عورت کے تسلی بخش مقام کے سلسلے میں پہلا نظریہ یہ ہے کہ اُسے مرد کے برابر درجہ دیا جائے اور ایسا صرف کمیونزم میں ممکن ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ عورت کی معاشرے کے لیے بہترین افادیت اور مسرت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ وہ گھریلو ذمہ داریاں پوری کرے یا بچوں کی پیدائش اور نگہداشت کا فرض ادا کرے تاکہ افراد کی تعداد اس قدر بڑھ جائے کہ نہ صرف وہ اپنے ملک کا دفاع کر سکیں بلکہ آگے بڑھ کر دوسروں کی حدود کو بھی تسخیر کر سکیں۔ یہ نظریہ فاشزم کے علم برداروں کا ہے۔ تیسرا نظریہ یہ

۳؎ عبدالقیوم ندوی "اسلام اور عورت" لاہور ۱۹۵۲ء، ص ۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ عورت کو اپنا راستہ خود متعین کرنے کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔ یہ نظریہ جمہوریت کے حامیوں کا ہے[۴]

اس رائے کو سمجھنے اور اس کا پس منظر جاننے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخی اعتبار سے سماج میں عورت کی حیثیت متعین کرنے کے لیے ان واقعات و حالات کا جائزہ لیا جائے جو ان تین نظریات کا محرک بنے۔ فاشزم اور کمیونزم کے نظریات تاریخی ترتیب کے لحاظ سے جمہوری نظریے کے بعد سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ پہلے ہم اس نظریے پر ہی نظر ڈال لیں ـــ اٹھارھویں صدی کی نمایاں ترین بات یہ ہے کہ یورپ کے لیے ذہنی اور سماجی دونوں اعتبار سے انتشار کا زمانہ کہا جاتا ہے[۵]

اٹھارھویں صدی میں ہمیں یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہوتا نظر آتا ہے۔ اس صنعتی انقلاب نے یورپ کی زندگی کے ہر شعبے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ایک طرف جاگیرداری نظام نے دم توڑ دیا، دوسری طرف سرمایہ داری نظام نے اس کی خالی کی ہوئی جگہ پُر کر دی۔ شہروں میں صنعتی انقلاب کے بعد بڑے بڑے کارخانے کھلنے لگے۔ دیہاتی کسان جو جاگیرداروں کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے تھے، شہروں کا رخ کرنے لگے۔ معیشت کی اس تبدیلی کا لازمی اثر یہ ہوا کہ لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہونے لگا۔ معاشرے میں اپنا مقام بلند کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ ان کے رہن سہن کے طریقے بدل گئے۔ ضروریاتِ زندگی بڑھ گئیں جس سے حصولِ زر کی اس جدوجہد میں مزید تیزی آگئی۔ اس غیر معمولی انقلاب کے بعد مرد کو عورت کا گھر میں رہنا بری طرح کھلنے لگا۔ ان مشکلات کا حل اسے ایک ہی نظر آیا کہ کسی طرح عورت کو بھی کمانے کے کام پر آمادہ کیا جائے۔ اگر یہ بات سیدھے سادے طریقے سے عورت سے کہی جاتی تو یقیناً وہ اسے مرد کی خود غرضی گردانتی، چنانچہ "اپنی اس خود غرضی پر پردہ ڈالنے کے لیے مغربی مرد کی عیاری نے جو جال تیار کیا وہ اس قدر نظر فریب تھا کہ بے چاری عورت آج تک اس میں پھنسی ہوئی ہونے کے باوجود اس کی دل فریبی میں مگن ہے[۶] جو لوگ اس منصوبے پر عمل پیرا ہوئے وہ لبرل ازم کا پرچار کرنے والے اور آزاد خیالی کے دعوے دار تھے اور عرصہ دراز سے یورپ کی معاشی، اقتصادی، اخلاقی اور مذہبی زندگی میں انقلاب کے خواہاں تھے۔ انھوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے عورتوں کی آزادی کا نعرہ لگایا اور یہ کہنا شروع

---

[۴] M Mazheruddin Siddiqi "Women in Islam" ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۲ [۵] ایضاً

[۶] محمد تقی عثمانی "ہمارے عائلی مسائل" کراچی، ص ۹۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا کہ عورتوں کو بھی مردوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں۔ عورت کو بھی مردوں کے دوش بدوش ہر کام میں حصہ لینا چاہیے۔ معاش کے سلسلے میں عورت چوں کہ مرد کی دستِ نگر تھی، لہٰذا مردوں کے پنجۂ استبداد سے نکلنے کے لیے ان افراد نے یہ ضروری قرار دیا کہ معاشی اعتبار سے عورت کو بھی خود مختار ہونا چاہیے تاکہ مرد کی برتری اس پر سے ختم کی جا سکے۔

ایک اور محرک جس نے یورپ میں تحریکِ آزادیٔ نسواں یا مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد کو تیز کرنے میں مدد دی وہ پہلی جنگِ عظیم تھی، جو ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی۔ اس جنگ کے دوران مردوں کی اکثریت کو جنگی خدمات سرانجام دینے کے لیے حکومت نے طلب کیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ غیر فوجی اداروں کی تمام تر ذمہ داریاں خواتین کے کندھوں پر آن پڑیں۔ اس سے قبل ان غیر فوجی پیشوں میں خواتین موجود نہ تھیں۔ خواتین کی صلاحیتوں کا عملی ثبوت مل جانے کے بعد ان کے لیے یہ بات مزید شدومد سے کہی جانے لگی کہ ان میں بھی مردوں کی سی صلاحیتیں موجود ہیں، لہٰذا زندگی کے ہر میدان میں ان کی حیثیت مردوں کے برابر ہونا چاہیے[۵۵]۔ خواتین عموماً اپنی اس اہمیت سے خوش نظر آتی تھیں لیکن اگر وہ بہ نظرِ غائر اس معاشرتی تبدیلی کا مطالعہ کرتیں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی کہ اس "جبری آزادی" کو (جو انھیں خاص حالات کے تحت ملی تھی اور جس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہ تھا) حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنی عائلی زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔

جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء) بھی اس تحریک پر اثر انداز ہوئی۔ جنگ کے زمانے میں ہزاروں کی تعداد میں امریکی عورتوں کو بری اور بحری فوج میں بھرتی کیا گیا۔ مثلاً انھیں کثرت سے شعبۂ انچارج، سیکرٹری ایسے شعبے دیے گئے جو انتظامی نوعیت کے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ مردوں کو محاذ پر جنگ لڑنے کے لیے فارغ کر دیا جائے۔ ڈاکٹروں اور نرسوں کی حیثیت سے بھی ان عورتوں نے محاذ پر خدمات انجام دیں۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جو اپنے مرد فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے محاذ پر جاتی تھیں۔ ہتھیار بنانے کے کارخانوں میں بھی ہزاروں کی تعداد میں خواتین بھرتی ہوئیں۔ اس طرح صنعت کے میدان میں بھی ان کی حیثیت مستحکم ہوگئی۔ اس ہنگامی دور کے ختم ہو جانے کے بعد جو چیز سب سے نمایاں طور پر ان کے معاشرے میں ابھر کر سامنے آئی وہ "عورتوں کے مساوی حقوق" کی تھی۔ امریکی معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگیا۔ ایک کا نکتۂ نظر یہ تھا کہ عورت

---

۵۵ مظہر الدین صدیقی "وومن ان اسلام" ... ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سل مقام اس کا گھر ہے اور اس کا کام بچوں کو صحیح طریقے سے تربیت دینا ہے۔ اسے مردوں کے مقابلے پر ہیں نکلنا چاہیے، جب کہ دوسرا گروہ یہ دلیل دیتا تھا کہ زمانہ بدل چکا ہے، عورتوں کے لیے عملی زندگی میں حصّہ نا، بچے پالنے سے زیادہ بہتر اور مفید ہے۔ عورتوں میں اگر مختلف کام کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں تو معاشرے واس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ وہ کہتے تھے کہ اس سے اقتصادی لحاظ سے بھی ملک کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ وہ وامل تھے جنھوں نے یورپ اور امریکہ میں خواتین کی تحریکِ آزادی کو تقویت پہنچائی۔ ورنہ ابتدا میں اس حریک کو چلانے کے لیے کوئی باقاعدہ پروگرام مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ (باقی آئندہ)

الفہرست : محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابیں، قرآنِ مجید، نزولِ قرآن، جمعِ قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث، فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علمِ نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیوں کر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے

صفحات [illegible] سے زائد   قیمت ۵۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com